

تفسیر "فصل الخطاب" سے اقتباسات (حصہ دوم)

<?xml encoding="UTF-8">

اعجاز قرآن

معجزہ کے معنی

معجزہ وہ غیر معمولی چیز ہے جو کسی نبی کو دعوائے نبوت یا کسی اور الہی منصب والے کو اس کے منصب کے ثبوت میں خداوند عالم کی جانب سے عطا ہو۔ جس کے مقابل لانے سے اس کے حدود منصب کے تحت والی دنیا کی تمام طاقتیں عاجز ہوں۔

بعض لوگ اسے مادی حیثیت میں محدود سمجھ لیتے ہیں جیسے : آفتاب کاشق ہونا، آفتاب کا پلٹنا، سنگریزوں کا تسبیح کرنا اور ایسی ہی باتیں جو ہوں وہی ان کے نزدیک معجزہ کہلاتی ہیں۔

اس لئے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جو لوگ اپنے عقول کے اعتبار سے اتنے ترقی یافتہ ہوں کہ وہ حقائق پر غور کر سکیں ان کیلئے ان مادی مظاہرات کی کیا ضرورت؟

یہ خیال اول تو اس لئے غلط ہے کہ صاحبان منصب ہدایت صرف ایسے ترقی یافتہ افراد کے لئے نہیں آتے بلکہ ان کے دائرہ عمل میں خواص کے ساتھ عوام بھی ہوتے ہیں۔ لہذا ہر معیار ذہن کے لحاظ سے ان کے پاس دلائل حقانیت ہونا چاہیئے۔

دوسرے یہ کہ معجزہ نام صرف ان مادی مظاہرات کا نہیں ہے بلکہ معجزہ ان غیر معمولی آثار کا نام ہے جو ایک مدعی نبوت میں اس کے دعویٰ کی خصوصی دلیل بن سکیں خواہ وہ از قبیل افعال ہوں جیسے کورمادزاد اور برص و جذام کے مبتلا کو صحت دینا ، مردوں کو زندہ کرنا اور مٹی سے پرند کی صورت بنا کر اسمیں پہونک مار کر سچ مچ کا طائر بنادینا۔ یہ معجزات جو حضرات عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ عصا کو اڑدہا بنادینا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے ہیں۔ یا از قبیل کلام جیسے قرآن مجید جو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا معجزہ ہے یا از قبیل صفت جیسے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بہت سی خصوصیات جیسے : جسم اقدس کا سایہ مفقود ہونا، غیر معمولی خوشبو، پس پشت کی چیز کا اس طرح دکھائی دینا جیسے سامنے کی چیز اور ایسی نہت سی باتیں۔

یا اس شخص کے تعلق سے غیر معمولی حالات کا پیدا ہونا جیسے : قوم فرعون پر جوؤں ، مینڈکوں اور خون وغیرہ کے عذاب کا آنا جس کا تذکرہ قرآن مجید میں تفصیل کے ساتھ ہے۔ یہ تمام باتیں معجزات میں داخل ہیں۔ اسی طرح خواص و عوام کی سطح ذہن کے لحاظ سے معجزات مختلف ہو سکتے ہیں۔ ایک بلند مرتبہ فلاسفر کے لئے وہ رموز و اسرار عقلی ہوں گے جو اس کے کلام میں ودیعت ہیں لیکن سطحی نظر رکھنے والے انسانوں کے لئے جو حقائق کلام کی رفعتوں کو نہیں سمجھ سکتے وہی مادی مظاہرات معجزہ قرار پائیں گے۔

انسانی افراد اپنی افتاد طبع کے لحاظ سے اقتدار پسندی و جاہ طلبی کے پتلے، ہوا و ہوس کے مجسمے اور ذاتی و نفسانی اغراض کے بندے ہوتے ہیں۔ انہیں کسی ایسی بات کا دعویٰ جسمیں اپنی سیادت تسلیم ہوتی ہو، اپنی بات بالا ہوتی ہو اور دوسرے بہت سے سادہ لوح افراد کے دلوں پر انکی حکومت کا سکہ قائم ہوتا ہو بہت خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔ انکو اسمیں کسی واقعیت کا لحاظ پس و پیش کرنے پر آمادہ نہیں کرتا بلکہ ایک وقتی شان و شوکت انکو بڑے سے بڑے غلط دعویٰ پر آمادہ کر سکتی ہے جسکی آجری حد خدائی کے دعوائے باطل تک پہنچتی ہے اسکے آگے کوئی زینہ ہی نہیں کہ قدم ادعاء وہاں تک پہنچے۔

نبوت اور رسالت اور ایسے ہی خدائی منصب کا بلاشبہ روحانی اقتدار سیادت اور حق فرماں روائی کے ساتھ لازم و ملزوم کارشتہ ہے بلکہ ایک پیشوائے دین کا اپنے ماننے والوں پر اقتدار اس سے زیادہ ہوتا ہے جتنا ایک بادشاہ کا اپنی رعایا پر اسلئے کہ بادشاہ کے سامنے سر جکھتے ہیں اور پیشوا کیلئے دل جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ لہذا عام انسانی افراد کے اقتدار پسند طبائع اس جامہ کو زیب تن کرنے اور اس منصب کے غلط دعویدار ہونے پر بڑی جرأت کے ساتھ آمادہ ہوجاتے ہیں۔

اسمیں آسانی یوں محسوس ہوتی ہے کہ دنیاوی مناصب ظاہری اسباب اور مادی ساز و سامان سے وابستہ ہوتے ہیں تو وہ سامان جسکے پاس نہ ہو اس کیلئے ان مناصب کے دعوے کے کوئی معنی نہیں ایک بے تاج و تخت، بے مال و دولت زاویہ نشین فقیر یہ دعویٰ کرے کہ میں بادشاہ ہوں یا وزیر ہوں یا رکن سلطنت ہوں تو لوگ اسے دیوانہ سمجھ کر ذریعہ تفریح بنالیں گے۔ کوئی اسے ماننے اور تسلیم کرنے پر آمادہ کہاں ہوگا لیکن نبوت و رسالت وغیرہ یہ مناصب کسی ظاہری ساز و سامان سے وابستہ نہیں ہوتے بلکہ وہ روحانی پیغام اور وحی و الہام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں تو کسی کو انکے ادعاء میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی۔

پھر یہ کہ انسانی لوازم زندگی کے اعتبار سے انبیاء و مرسلین بھی عام افراد بشری کی طرح ہوتے ہیں بے شک انکا ذاتی جوہر ایسا بلند ہوتا ہے کہ قدرت کی طرف سے وہ بلند منصب کیلئے منتخب کئے جاتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ عامۃ الخلائق خدا تک جانہیں سکتے کہ خود اس سے پوچھ لیں کہ اس نے اس شخص کو اپنے منصب کیلئے مقرر کیا ہے یا نہیں تو اب یہ دعویٰ کر لینے میں کیا دشواری ہے کہ مجھ کو خدا نے اس عہدے کیلئے منتخب کیا ہے اور تمام خلق کی رہنمائی کیلئے قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہر قوم کے بزدیک متفقہ طور پر بعض ایسے لوگ ہیں جنہوں نے غلط طریقہ پر نبوت کا دعویٰ کیا اور کسی باطل مذہب کی بنیاد قائم کی۔ ایک قانون کا مرتب کر لینا اور دنیا کی تیز رفتار پر نظر کر کے کچھ اصول قرار دے لینا جنکو "شریعت الہیہ" کے نام سے پیش کیا جائے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

یہ فیصلہ کہ اسکے تمام احکام صحیح اصول پر مبنی ہیں یا نہیں عام افراد کے حدود دسترس سے باہر ہے۔ اسلئے کہ انسانی فلاح و بہبود کے سلسلہ میں عقلائے زمانہ کے خیالات ایک نقطہ پر متفق نہیں چہ جائیکہ عام افراد۔ اب اگر اس مدعی نبوت وغیرہ کے پاس جو حقیقتہ خدا کا فرستادہ اور اسکی طرف کے منصب کا حامل ہے صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہو کہ میں خدا کی طرف سے مقرر ہوا ہوں اور اس دعویٰ کی تصدیق کیلئے کوئی ثبوت نہ ہو تو اسمیں اور ان لوگوں میں جو غلط طور پر یہی دعویٰ کر رہے ہیں فرق ہی کیا رہا اور عام افراد پر کیوں کر یہ فرض عائد کیا جائے کہ وہ اس سچے نبی کے قول کو تسلیم کریں، اسکے دعویٰ کو سر آنکھوں پر رکھیں اور اسکی اطاعت کریں اور دوسروں کے دعوے سے انکار کریں اور ان کی شریعت کو تسلیم نہ کریں۔

اس کیلئے عقل ضروری سمجھتی ہے کہ یقیناً وہ شخص جو خدائے حکیم و خبیر کا حقیقی نمائندہ ہے اس کیلئے خدا کی جانب سے خصوصی طور پر ایسی کوئی بات ہونا چاہیئے جسے بحیثیت دلیل دعوائے نبوت پیش کرے اور جس کے مقابلے میں دنیا کی طاقتیں عاجز ہوں ورنہ ان دیکھا خدا جو بغیر اپنے آثار قدرت کے نہ پہچانا جا سکا اسکے سفیر کو ہم بغیر آثار کے کیوں پہچانیں۔

اب وہ آثار جو کسی ذات کی معرفت پیدا کرسکتے ہیں کیسے ہونے چاہیئیں۔ اگر وہ آثار اسکے اور اسکے غیر میں مشترک ہیں تو وہ خصوصی طور پر اسکا تعارف کیوں کر کراسکتے ہیں تو ضرورت ہے کہ آثار ایسے ہوں جو اسکی ذات سے مخصوص ہیں وہی ذریعہ معرفت بن سکتے ہیں۔ تو جس طرح خدا کے وجود کی دلیل وہی آثار بن سکتے ہیں جن پر خدا کے سوا کوئی قادر نہ ہو تو اسکی طرف کے عطا کردہ منصب کا ثبوت بھی ایسی ہی نشانیوں سے ہوسکتا ہے جو اسکی طرف کے صاحب منصب سے مخصوص ہوں۔ مخصوص ہونے ہی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ کوئی دوسرا اسکے مثل پیش کرنے پر قادر نہ ہو اسی کو کہتے ہیں "معجزہ" !!!

صدرالمتالیہین اپنی شرح اصول کافی (مطبوعہ ایران) میں لکھتے ہیں کہ معجزہ وہی ہوتا ہے جو رسالت کے دعویٰ کے ثبوت میں اعلان بے مثالی کے ساتھ ہواور پھر دنیا اسکے مقابلہ میں عاجز رہے۔ قرآن میں یہ تمام باتیں موجود ہیں۔

اسے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پنی حقانیت کی دلیل بنا کر پیش کیا۔ فصحاء عرب کو دعوت مقابلہ دی اور جوش دلانے والے انداز میں انکے جذبہ غیرت وحمیت کو تازیانے لگائے مگر وہ باوجود فصاحت کلام و طاقت بیان میں نازش وافتخار کے قرآن مجید کے جواب سے قاصر رہے اور بجائے جواب دینے کے مرنے مارنے پر تیار ہو گئے جسمیں انتہائی جانی اور مالی نقصانات برداشت کرنا پڑے۔

حالانکہ قرآن اول روز سے انکی تمام زحمتوں اور مشقتوں کا معمولی سا حل پیش کر رہا تھا کہ وہ اسکے جواب میں پورا نہ سہی چھوٹے ہی کسی سورہ کا جواب پیش کردیں۔

حالانکہ اگر انہیں اسپر قدرت ہوتی تو وہ قرآن کے مطالبہ کے مطابق بجائے جنگی ہنگامہ آرائی کے ادبی معرکہ آزمائی کرتے اس صورت میں بغیر کسی خونریزی اور نتیجتہ تباہی و بربادی کے اسلام کی آواز پست ہوجاتی۔ لیکن جب انہوں نے قرآن کے پے درپے تازیانوں کے باوجود اس میدان سے گریز ہی کیا اور حرب و ضرب ، جنگ و جدل کو اسکے تمام مہلک نتائج کے باوجود مقابلہ کیلئے اختیار کیا تو اس سے انکی عاجزی طشت ازبام ہو گئی اور قرآن کا معجزہ ہونا پایہ ثبوت کو پہنچ گیا۔

شیخ صدرالدین شیرازی کے الفاظ میں

"دفع تحذی المتحدی بنظم الکلام اھون من الدفر بالسیف" دعوائے بے مثالی کرنے والے کی رد ایک کلام مرتب کتکے آسان ہونی چاہیئے تھی بہ نسبت تلوار کے ساتھ مقابلہ کے "

علامہ نیشاپوری نے کہا ہے "فاضطتھم التعجیز الی ایثارا لا صعب علی الاسھل فتبین ان الاسھل فی النظر هو الا صعب فی نفس الا مروذالک من اول الدلیل علی حقیقۃ المنزل وصدق المنزل علیہ" یہ معجزانہ حیثیت کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے آسان راستے کو چھوڑ کر مشکل راستہ اختیار کیا جس سے ثابت ہوا کہ جو بظاہر نگاہ میں آسان تھا (یعنی قرآن کا جواب پیش کرنا) وہ حقیقت میں زیادہ مشکل تھا اور یہ سب سے بڑا ثبوت ہے اس کلام کی حقانیت کا جو اتارا گیا اور اس شخص کی سچائی کا جس پر اتارا گیا ہے۔"

پھر جب اس دور کے فصحاء عرب باوجود اس اقتدار خاص اور کمال قدرت کے مقابلہ سے عاجز رہے تو دوسروں کی کیا مجال ہوسکتی ہے۔ اس عاجزی کا تعلق براہ راست اگرچہ فصحاء عرب سے تھا مگر اس سے حقانیت کا جو

ثبوت ہے وہ ہمہ گیر حیثیت رکھتا ہے اسلئے یہ معجزہ خاص عرب ہی کیلئے نہیں تھا بلکہ تمام خلق کیلئے ہے اس پہلو کو قدیم عربی کے ادیب عمرو بن بحر جاحظ نے ان الفاظ میں نمایاں کیا ہے "ان عجز العرب عن مثل نظم القرآن حجة على العجم من جهة اعلام العرب العجم انهم كانوا عن ذلك عجزاً" قوم عرب کا قرآن کے سے کلام کو پیش کرنے سے عاجز رہنا غیر عرب تمام دنیا کے سامنے حقانیت کا ثبوت ہے جبکہ قوم عرب نے اپنی عاجزی کا اس کے مقابلہ سے اظہار کر دیا ہے"

اور پھر اس حقیقت یہ ہے کہ نزول قرآن کو چودہ سو برس ہو گئے اور قرآن اسی ایک آواز سے اپنی مقابل دنیا کے ہر طبقہ کو صدا دے رہا ہے اور عالم کی فضا اس کے دعوائے بے مثالی سے گونج رہی ہے اور اس کے مخالف اپنی تحریک کی اشاعت اور قرآن کی مخالفت میں سلطنتوں کی طاقت ، مال و دولت کا زور اور گراں قدر خزانوں کا سرمایہ صرف کرتے رہے ہیں لیکن قرآن کی آواز "لایاتون مثله" آج تک سچی ہے۔ اور سب طرح کی مخالفتیں اور قرآنی عظمت کے گھٹانے کی سرتوڑ کوششیں ہوئیں حتیٰ کہ قرآن پر (بزعم خود) ادبی اعتراض تک کئے گئے۔

قرآنی واقعات کو بخیال خود مشکوک ثابت کیا گیا۔ قرآن کے مضامین کو کتب سابقہ سے ماخوذ بتایا گیا۔ قرآن میں مسلمانوں کی کتابوں سے تحریف کے ثبوت پیش کئے گئے مگر یہ نہ ہوا کہ کوئی قرآن کے کل نہ سہی جزء آیت کا ہی جواب تحریر کر دیتا۔

صدر شیرازی نے تحریر فرمایا کہ "لو کان بظہرفان اردل الشعراء لما تحدوا بشعرهم وعرضوا ظہرت المعارضات والمناقضات الجارية بینہم" اگر ایسا کبھی بھی ہوا ہوتا تو نمایاں ہوتا۔ اس کے لئے معمولی شعراء نے جب اپنے کلام کے لئے چیلنج کیا اور ان کے جواب دیئے گئے تو یہ مقابلے والے جوابات شہرہ آفاق ہو گئے۔"

پھر یہاں صورتحال یہ ہے کہ حقانیت قرآن کی مخالف جماعتیں بکثرت ہیں چاہے وہ جواب کسی ایک مذہب یا جماعت کی کسی فرد کا نتیجہ قلم ہوتا مگر یہ تمام جماعتیں اس کی اشاعت میں متفق ہوجاتیں بلکہ اگر وہ بالکل اس کے مثل نہیں کچھ اس کے لگ بھگ اور ذرا قریب بھی ہوتا تو یہ لوگ اپنے تعصب سے اسے قرآن سے زیادہ بڑا چڑھا کر پیش کرتے اور سب مل کر یہ کہتے کہ قرآن کا دعویٰ (معاذ اللہ) غلط ہو گیا۔ جب ایسا نہیں ہوا تو صاف ثابت ہوا کہ قرآن کے مقابلہ میں دنیا کی طاقت حقیقتہ قاصر تھی ، قاصر ہے اور یقین کرنا چاہیئے کہ ہمیشہ قاصر رہے گی۔

سلسلہ معجزات میں قرآن کا امتیاز

تمام انبیاء آیات و بینات یعنی معجزات کے ساتھ مبعوث ہوئے لیکن ان کی نبوتوں کے چراغ خاموش ہو گئے اسلئے کہ ان کی بنیاد ایسے معجزات پر تھی جو وقتی حیثیت رکھتے تھے۔ اس وقت وہ منکروں پر اتمام حجت کے لئے کافی تھے مگر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ان کی صحت و واقعیت روایات اور مختلف المضمون حکایات کی مرہون منت ہو گئی۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اگر کوئی شخص منکر ہو کر یہود سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ثبوت طلب کرے یا عیسائیوں سے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا تو انہیں سوا خاموشی کے کوئی چارہ کار نہیں کیوں کہ ان کی کوئی نشانی جیتی جاگتی ہوئی حیثیت نہیں رکھتی اور کسی نبی نے ایسا معجزہ اپنے بعد نہیں چھوڑا جو تمام اہل عالم کے سامنے رکھ دیا جائے کہ ہر زمانہ کے لوگ اپنے اپنے دور کے ذرائع اور اپنے ترقی یافتہ دماغوں کے معیار سے اس کو

جانچ سکیں اور اسکے مختلف پہلوؤں پر بحث کرسکیں۔

بس ایک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں جنہوں نے ایسا معجزہ پیش کیا جو آپ (ص) کی نبوت کے لیے ہر دور میں دلیل حسی کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر زمانہ میں حضرت کی نبوت کو تقلیدی حیثیت سے نکال کر تحقیقی دائرہ میں لانے کا ضامن ہے

یہ قرآن ہے جس کے زیردامن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہ کی رسالت کا چراغ انقلابات زمانہ کی ہزاروں آندہیوں میں بھی روشن ہے اور اپنے اعجاز کی روح کو لئے ہوئے ہر انسان کو غور و غوض کی دعوت دیتا ہے اور ہر ادیب جو قرآن کو بحیثیت عربی کے سمجھ سکتا ہے (چاہے وہ ایمان رکھنے والوں میں سے نہ ہو) پہلی نظر میں یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک زندہ زبان کے ایک اہم کارنامہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہی دلچسپی اسے کچھ زیادہ غور پر آمادہ کر دے تو وہ آخر میں یقین کرے گا کہ وہ ایک زندہ نبوت کی زندہ دستاویز کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

قرآن مجید کی حیثیت اعجاز

وہ لوگ جو قرآن مجید کو معجزہ سمجھتے اور خداوندی کلام تسلیم کرتے ہیں ان میں اس حیثیت سے تھوڑا سا اختلاف ہو گیا ہے کہ قرآن مجید کس حیثیت سے معجزہ ہے؟
جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اسکے قائل ہو گئے کہ قرآن صرفہ و سلب قوی کے اعتبار سے معجزہ ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ خالق کی قوت قاہرہ کا یہ کرشمہ ہے کہ جب کوئی قرآن کا جواب لکھنا بھی چاہے تو اسکی قوت سلب ہو جائے اور اسکی طاقت جواب دیدے۔

اگرچہ منطقی طور پر نتیجہ اعجاز کے لحاظ سے اس قول سے کوئی نقصان نہیں ہوتا مگر واقعیت کے لحاظ سے وہ درست نہیں ہے باوجود سید کی جلالت قدر کے جمہور علماء نے اسکو رد کر دیا۔ کیوں کہ انکے قول کا مطلب یہ قرار پاتا ہے کہ قرآن میں خود کوئی ایسی بات نہیں ہے جسکا جواب لانے سے فصحاء عرب قاصر ہوتے لیکن یہ اللہ کی قدرت ہے کہ اسکا جواب دینے پر کسی کو قدرت نہیں ہوتی اور جب کوئی شخص اسکا جواب لکھنا چاہے تو اللہ اسکی قوت کو سلب کر دیتا ہے اور موانع پیدا کرتا ہے۔

لیکن بے لوث وجدان کا فیصلہ ہے کہ جب ہم جواب کی نیت سے خالی الذہن ہو کر بغیر کسی خیال معارضہ و مقابلہ کے بھی آیات قرآن پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ انسانی سطح سے بلند شان رکھتا ہے۔ چنانچہ شریف مرتضیٰ کے چھوٹے بھائی جامع نہج البلاغہ علامہ شریف رضی جو عربی ادب میں بڑے بھائی سے اونچا درجہ واقعا چاہے نہ رکھتے ہوں لیکن بحیثیت ادیب ان سے زیادہ نمایاں ضرور ہیں اپنی بیش قیمت تصنیف

"حقائق التاویلات" مطبوعہ نجف اشرف" میں لکھتے ہیں "انہ لیری فیہ عند الانفراد بتلاوتہ من غرائب

الفصاحة و نواقب البلاغۃ و نوادر الکلم و ینابیع الحکم ما یعجز الخواطر عن الکلام علیہ والایضاح من عجائب

ما فیہ" انسان جب تنہائی میں اسکی تلاوت کرے تو فصاحت کے ایسے عجائب انداز بلاغت کے حیرت ناک اسلوب

بیمثال الفاظ اور حکمتوں کے ایسے سرچشمے دیکھے گا جس پر گفتگو کرنے اور عجائبات کی تشریح کرنے سے

انسانی ذہن عاجز ہوگا"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اعجازی صفت خود قرآن میں مستقل طور پر موجود ہے نہ یہ کہ کسی آدمی کے مقابلہ کی نیت سے قلم اٹھاتے وقت ہر دفعہ اللہ کی طاقت کے حرکت میں آنے کی ضرورت ہو اور ایسے ہر آدمی کے مقابلے میں خاص طور سے وہ اپنی قدرت سے کام لیا کرے۔

ایک دوسرا خیال جو بالکل غلط ہے یہ کہ قرآن بحیثیت اپنی فصاحت و بلاغت اور باعتبار اپنے الفاظ و معانی کی جامعیت کے معجزہ نہیں ہے بلکہ اسکے معجزہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک مکمل اور کامل اثرونفوذ رکھنے والا قانون ہے اور اسمیں حسب اقتضائے زمانہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کیلئے احکام بوجہ اتم موجود ہیں۔ یہ خیال اسلئے صحیح نہیں ہے کہ اس صورت میں قرآن مجید کے بس مجموعی طور پر مقابلہ کا سوال پیش کیا گیا ہوتا۔ نہ کہ دس سوروں کے مقابلہ کی دعوت بلکہ آخر میں صرف ایک سورہ کے سورہ کے جواب کی طلب پہر یہ کہ لاجوابی کا اعلان تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ ابتدا ہی سے ہونے لگا لیکن یہ جہت اعجاز پیدا ہوتی ہے پورے قرآن کی تنزیل کے بعد اگر اسکے معجزہ ہونے کے یہ معنی ہوتے تو مطالبہ کا جواب تمام قرآن کے نازل ہونے کے بعد ہوتا نہ کہ اثنائے تنزیل میں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جہت اعجاز کوئی ایسی ہے جو "کل و جز" میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔

بے شک یہ بھی درست نہیں ہے کہ قرآن کی اعجازی حیثیت بس فصاحت و بلاغت میں منحصر ہے۔ ہاں فصحاء عرب کیلئے وہ بحیثیت فصاحت معجزہ تھا مگر چونکہ وہ ہر زمانہ میں باقی رہنے والی دلیل بین بنا کر بھیجا گیا لہذا اسمیں بلند و پست، ظاہر بین، دور رس ہر درجہ کے دماغوں کیلئے جہات اعجاز موجود ہیں اور فصاحت و بلاغت والے اعجاز کے علاوہ وہ باعتبار معارف و حقائق، باعتبار نکات و دقائق، باعتبار جامعیت و وسعت علوم، باعتبار متانت و بلندی تہذیب اور پھر باعتبار اپنی تعلیمات و ہدائت کے ہر دور، ہر زمانہ کیلئے معجزہ ہے۔

قرآن کے تازہ ترین معجزات

طبیعیات و فلکیات میں دنیا برابر ترقی کرتی جا رہی ہے اور اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ بہت سے دروازے حکمت و فلسفہ کے جو سابق زمانہ میں بند تھے اب کھل گئے ہیں یا کھل رہے ہیں اور سینکڑوں رموز جو اس کے پہلے راز سر بستہ کی حیثیت رکھتے تھے اب منکشف ہوتے جاتے ہیں۔ اگرچہ ان انکشافات میں کچھ ظنی یا وہمی بھی ہوتے ہیں اور ان میں انداز، تخمین یا تخیل اور تمثیل و قیاس کی آمیزش ہوتی ہے اسلئے میں اس بات سے متفق نہیں ہوں کہ مذہبی آیات و روایات کو کہینچ تان کر جدید تحقیقات پر منطبق کیا جائے۔

یہ کوشش اسلئے صحیح نہیں کہ انسانی فلسفہ و علم تبدیل ہونے والی چیز ہے اور دین ثابت و برقرار حقیقتوں پر مبنی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ثابت و لازوال چیز کا متغیر اور تبدیل چیز سے دائمی طور پر تطابق نہیں ہو سکتا۔ لہذا اگر دینی تصریحات کسی موجودہ تحقیقات فلسفی کے خلاف ہوں تو ہمیں یہ ماننا ناگزیر ہے کہ فلسفہ ابھی اس بلندی کے درجہ پر نہیں پہنچا کہ اس حقیقت کا صحیح انکشاف ہو سکے۔ پہر بھی اسمیں شبہ نہیں کہ سائنس کی بعض تازہ معلومات ایسی ہیں کہ جنکا پتہ قرآن و احادیث سے صاف صاف چلتا ہے۔

اس قسم کی آیات ہم کو قرآن کے تازہ ترین اعجاز کے پہلو سے روشناس کراتی ہیں کہ وہ چیزیں جو ہزاروں سال تک پردہ خفا میں رہیں اور اب ہزاروں قسم کے جدید آلات رصدیہ اور مختلف قسم کی دوربینوں سے انکا پتہ چلا یا گئے ہیں نبی امی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لائے ہوئے قرآن میں چودہ (14) سو سال پہلے مذکور تھیں۔ بعض آیتیں قرآن کی ایسی ہیں کہ انکو جب ہیئت قدیم کے قدیمی مسلمات کی بناء پر جانچا گیا تو کسی طرح انکے ظاہری طور پر معانی سمجھ نہ آئے لہذا مفسرین نے جو ان علوم کو بالکل درست مانتے تھے ان آیات میں تاویلات سے کام لیا لیکن اب جس وقت کہ ہئیت نے پلٹا کہا یا ہے اور علم کے دور میں انقلاب آیا ہے تو وہ آیات بغیر

تاویل کے اسی حقیقت کو ظاہر کر رہے ہیں جن کا انکشاف اب ہوا ہے۔